© rasailojaraid.com

آیت مباہلہ اور امامت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (سورت آل عمران، آیت: ٦١)

پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس علم۔ تو آپ کہہ دیجیے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔

سید امداد حسین کاظمی لکھتے ہیں کہ:

یہ آیت **فمن حاجک** سے لے کر **علی الکذبین** تک آیت مباہلہ کہلاتی ہے جو نصاریٰ نجران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہونا تجویز ہوا تھا۔ واقعات یوں ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث ومناظرہ کرنے کے لیے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا۔ آخر جب ان کی ضد بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کے ساتھ ابتہال کرنے کا حکم ہوا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حکم خداوندی سے آگاہ کیا تو وہ لوگ مشورہ کرنے کے لیے اپنی اقامت گاہ پر چلے گئے وہاں ان کے سرداروں نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو لا کر ہم سے مباہلہ کریں تو ہم ضرور مباہلہ کریں گے کیونکہ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ سچا نبی نہیں ہے اور اگر وہ مباہلہ کے لیے اپنے اہل بیت کو ساتھ لایا تو ہم ہرگز مباہلہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ یقیناً سچا نبی ہوگا۔

پس جب صبح ہوئی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جناب امیر المؤمنینؓ، فاطمہ الزہراءؓ، حسنؓ اور حسینؓ تھے۔ نصاریٰ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں؟ کہا گیا کہ ایک تو ان کے چچازاد بھائی۔ ان کے وصی اور داماد علی بن ابی طالبؓ ہیں اور یہ ان کی دختر فاطمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الزہراءؑ ہیں اور یہ دونوں ان کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ پس وہ الگ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمیں مباہلہ سے معاف کریں۔ ہم آپ سے صلح چاہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو ہزار حلّے اور تیس لوہے کی زرہیں جزیہ لے کر مصالحت کر لی۔ (تفسیر صافی ص ۸۵)

نیز اسی صفحہ پر ہے کہ جب نصاریٰ نے دیکھا کہ میدانِ مباہلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے آرہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں حسینؑ ہیں، حسن کو انگلی لگائے ہیں، پیچھے فاطمہؑ ہیں اور ان کے پیچھے حضرت علیؑ۔ گویا مطابق ترتیب آیت کے چل رہے ہیں اور رسول اللہ انہیں کہتے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

ان کے اسقف نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ پس انہوں نے دو ہزار حلّے اور تیس زرہیں لوہے کی بطور جزیہ دیں اور مصالحت کر لی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم مباہلہ کرتے تو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہو جاتے اور یہ سارا میدان آگ بن جاتا اور نجران کے سب رہنے والوں حتیٰ کہ پرندوں کو بھی جلا دیا جاتا۔

اور ''عیون الاخبار الرضاء'' میں جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ:

سوائے علی بن ابی طالبؑ اور فاطمہ الزہراءؑ اور حسنینؑ کے کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ نصاریٰ سے مباہلہ کرنے کے دن جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو اپنی چادر کے نیچے داخل کیا ہو۔ پس خدا تعالیٰ کے قول ابناء کی تاویل جناب حسنینؑ اور نساء نا کی جناب فاطمۃ الزہراءؑ اور انفسنا کی جناب علی مرتضیٰؑ ہیں۔

(القرآن المبین تفسیر المتقین ص ۴۷ حمایت اہل بیت وقف ریلوے روڈ لاہور)

سید فرمان دہلوی یہی واقعہ نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

یہ حضرت علیؑ کی اعلیٰ فضیلت ہے کہ نفسِ رسول، خدا کے حکم سے قرار پائے اور تمام انبیاء سے افضل ٹھہرے۔

(القرآن الحکیم۔ ص ۶۸ ترجمہ تفسیر از سید فرمان علی مطبوعہ چاند کمپنی کشمیری بازار لاہور)

مفتی محمد شفیع صاحب اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں ترتیب وار ذکر کی گئی تھیں۔ (۱) اسلام قبول کرو (۲) یا جزیہ ادا کرو (۳) یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ

نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کر کے شرجبیل، عبداللہ بن شرجبیل اور جبار بن فیض کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ ان لوگوں نے آکر مذہبی امور پر بات چیت شروع کی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرنے میں ان لوگوں نے انتہائی بحث تکرار سے کام لیا۔ اتنے میں یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسلم نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود بھی حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے تیار ہو کر تشریف لائے۔ شرجبیل نے یہ دیکھ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کا نبی ہے۔ نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت ہے۔ بربادی یقینی ہے اس لیے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو۔ ساتھیوں نے کہا کہ تمہارے نزدیک نجات کی کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ میرے نزدیک بہتر صورت یہ ہے کہ نبی کی رائے کے موافق صلح کی جائے چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ مقرر کر کے صلح کر دی جس کو انہوں نے بھی منظور کر لیا۔ اس آیت میں **ابناء نا** سے مراد صرف اولاد صلبی نہیں ہے بلکہ عام مراد ہے خواہ اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو کیونکہ عرفاً ان سب پر اولاد کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا **ابناء نا** میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرات حسنین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہم داخل ہیں۔ خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو **ابناء نا** میں داخل کرنا اس لیے بھی صحیح ہے کہ آپ نے تو پرورش بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں پائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا اور آپ کی تربیت کا پورا پورا خیال رکھا۔ ایسے بچے پر عرفاً بیٹے کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اولاد میں داخل ہیں۔ لہٰذا روافض کا آپ کو **ابناء نا** سے خارج کر کے اور **انفسنا** میں داخل کر کے آپ کی خلافت بلافصل پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

(معارف القرآن جلد دوم ص ۸۵۔۸۶)

پیر کرم شاہ صاحب الازہری لفظ **انفسنا** کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

اس لفظ سے بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ **انفسنا** سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آپ نفس رسول ہیں گویا آپ رسول جیسے ہیں تو جب آپ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہو گئے تو پھر آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار اور کون ہو سکتا ہے؟

تو اس کے متعلق التماس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار **ابناء نا** میں ہے کیونکہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے اور اگر **انفسنا** میں ہی شمار کریں تو عینیت اور مساوات کہاں سے ثابت ہوئی؟ کیونکہ یہ لفظ تو ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار یا دینی اور قومی بھائی ہوں جیسے ''**یخرجون انفسھم من دیارھم**'' وہ اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو ان کے وطن سے نکال رہے ہیں۔ ''**ولا تخرجون انفسکم من دیارکم**'' اپنے وطن سے اپنے نفسوں کو یعنی اپنے بھائیوں کو نہ نکالنا۔

''**ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم**'' ان سب آیات میں ان کے علاوہ متعدد دیگر آیات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”**انفس**“ کا لفظ دینی اور قومی بھائیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد ا ص ۲۳۹)

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں عربی زبان کے اسلوب کے مطابق بعض چیزیں حذف ہیں۔ اگر محذوفات کو ظاہر کر دیا جائے تو پوری بات گویا یوں ہوگی۔ ”**ندع نحن ابناء نا وانتم ابناء کم ونحضر نحن انفسنا وانتم انفسکم ثم نبتھل نحن وانتم**“ ہم نے اپنے ترجمے میں ان محذوفات کو کھول دیا ہے۔

(سو جو تم سے اس بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہارے پاس صحیح علم آ چکا ہے تو ان سے کہو کہ آ ؤ۔ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو جمع کریں، تم اپنی عورتوں کو جمع کرو، ہم اپنے آپ کو اکٹھا کریں، تم اپنے آپ کو اکٹھا کرو، پھر ہم مل کر دعا کریں اور جھوٹوں پر لعنت بھیجیں)

ابتھال کے معنی دعا اور تضرع کے ہیں لیکن اس کے اندر ترک کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ایک دوسرے پر لعنت کی بد دعا کے لیے معروف ہے۔

جن معاملات میں بنائے اختلاف کوئی عقلی و استدلالی چیز ہو ان میں تو مسئلے کو طے کرنے کا صحیح طریقہ عقل و استدلال ہی ہے۔ لیکن جہاں عقل و استدلال کے تمام مرحلے طے ہو چکے ہوں، مخاطب دلیل و حجت سے بالکل عاری ہو، حق اس کے سامنے سورج کی طرح روشن ہو، اس کے لیے اس سے گریز و فرار کی کوئی راہ نہ ہو لیکن وہ محض اپنی بات کی پچ اور ہٹ دھرمی کی آن قائم رکھنے کے لیے اپنی بات پر اڑا ہو تو ایسے مواقع کے لیے مباہلہ کا طریقہ آخری چارہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ نصاریٰ نے قرآن کے اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کی۔ جس سے یہ بات آخری درجے میں واضح ہوگئی کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارے میں وہ اپنے موقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے بلکہ محض اپنے گروہی تعصب کے تحت اس کی حمایت کرتے تھے۔ برعکس اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کھلا ہوا چیلنج اس بات کا نہایت کھلا ہوا ثبوت ہے کہ آپ کو اپنے موقف کی صحت و صداقت پر پورا پورا یقین تھا۔ مباہلے میں اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنے اعزا و متعلقین کی شمولیت اس کی سنجیدگی اور اہمیت کو دو چند بلکہ دہ چند کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ کوئی شخص جانتے بوجھتے اپنے زن و فرزند اور اپنے محبوں اور محبوبوں پر لعنت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ (تدبر قرآن جلد ۲ ص ۱۰۸)

۹ھ کو **سنة الوفود** کہا جاتا ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل نجران کو دعوت اسلام پہنچی تو انہوں نے ۹ھ میں اکابر عیسائیوں کا ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ جس نے دوران گفتگو ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیات نازل فرمائیں جن میں ایک آیت مباہلہ بھی تھی جس میں عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو فریق بنائے ہیں۔

فریق اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

فریق ثانی: وفد نجران کے عیسائی

فریقین کے لیے دعوت یہ تھی کہ **”تعالوا ندع“**

فریق اوّل کے لیے الفاظ قرآنی		فریق ثانی کے لیے الفاظ قرآنی
ابنآءنا	و	**ابنآءکم**
ونسآءنا	و	**نسآءکم**
وانفسنا	و	**انفسکم**

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ

دونوں فریقوں کے لیے الفاظ قرآنی ” **ابناء، نساء، انفس**“ ایک ہی طرح کے استعمال کیے گئے ہیں۔

جو حضرات فریق اوّل کے لیے مذکورہ الفاظ کی تعمیل میں حضرات حسنین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو میدان مباہلہ میں لائے ہیں تو انہوں نے فریق ثانی (جسے مباہلہ کی دعوت اور چیلنج دیا جا رہا ہے) کے لیے استعمال کیے گئے الفاظ قرآنی ”**ابناء کم ، نساء کم ، انفسکم**“ کے تحت ان میں سے کوئی فرد کیوں نہیں متعین کیا؟

انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہ ہے کہ فریق مخالف کے لیے بھی ان الفاظ کا کوئی مدلول متعین ہونا چاہیئے کہ **ابناء کم** سے کس کس کے بیٹے، **نساء کم** سے کون کون سی عورتیں اور **انفسکم** سے کون کون سے نجرانی مرد میدان میں اترے۔

جب فریق ثانی نے نہ تو چیلنج قبول کیا اور نہ ہی ان کے بیٹے اور عورتیں وہاں موجود تھیں تو پھر فریق اوّل کے لیے اس تکلف کی ضرورت کن مقاصد کی خاطر محسوس کی گئی؟ قرآن کریم کی معنوی تحریف کر کے اسے اپنے بے بنیاد اور من گھڑت عقیدے کی بھینٹ چڑھانا کون سی دانش مندی ہے؟

فریق اوّل کے لیے تو اس حکم الٰہی کی تعمیل آسان تھی کیونکہ ان کے **ابناء ، نساء و انفس** سب ہی وہیں موجود تھے جبکہ فریق ثانی کو یہ سہولت سرے سے حاصل ہی نہیں تھی۔

تاریخ میں نجران نام کے متعدد شہر یا مقامات پائے جاتے ہیں۔ ایک نجران بحرین میں ہے۔ دوسرا دمشق کے قریب حوران میں ہے۔ تیسرا عراق میں کوفہ اور واسط کے درمیان ہے اور چوتھا یمن کا ایک بڑا شہر ہے جو عیسائیت کا مرکز ہے۔ یمن کا نجران مکہ مکرمہ سے بیس دن کی مسافت پر ہے۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں سہو ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف نے اسے مدینہ منورہ کے نواح میں بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو تحفہ خلافت ص ۴۴۱ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت جہلم)

آیت مباہلہ کے مخاطب فریق ثانی کا تعلق یمن کے نجران سے تھا۔ اگر وہ دعوتِ مباہلہ قبول کرتے تو پھر بھی یقیناً وہ مہلت طلب کرتے تا کہ یمن جا کر **ابناء کم ، نساء کم انفسکم** کا مدلول متعین کرسکیں۔ جس کے بعد '' **ثم نبتھل فنجعل لعنت اللّٰہ علی الکٰذبین** '' کا تقاضہ پورا کریں۔

دعوتِ مباہلہ کے بعد انہوں نے صرف باہمی مشاورت کے لیے مہلت طلب کی۔ پھر خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ ان کی باہمی مشاورت کے دوران، ان کے بیانات سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مباہلہ کے مہلک اور خوف ناک نتائج کے تصور سے ہی گھبرا گئے تھے۔ اگر وہ دعوتِ مباہلہ قبول کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم **ابناء نا، نساء نا انفسنا** کے تحت کس کس کا انتخاب کرتے؟ تو اس کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ فرماتے تو دعائے مباہلہ میں شامل کرنے کے لیے کن لوگوں کے ہاتھ پکڑتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' **ا خذ بید علی وفاطمة والحسن والحسین و عائشة و حفصة** ''

میں علی، فاطمہ، حسن، حسین، عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر دعا کرتا۔

(سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۲۴۰ باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود)

اور ایک دوسری روایت (جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے) کے اعتبار سے آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور ان کی اولاد، حضرت عمر فاروق اور ان کی اولاد، حضرت عثمان غنی اور ان کی اولاد اور حضرت علی اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کو بھی مباہلہ میں شامل کرنے کے لیے لاتے۔

(درمنثور للسیوطی جلد ۲ ص ۴۰، روح المعانی جلد ۳ ص ۱۹۰، تفسیر للشوکانی جلد ۱ ص ۳۴۸ بحوالہ سیرت علی المرتضیٰ ص ۱۰۳ مؤلفہ مولانا محمد نافع صاحب)

دعوت مباہلہ کو قبول کرنے سے معذرت کے ساتھ ہی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم تسلیم کرلیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل معاہدہ تحریر کرایا۔

۱۔　اہل نجران سالانہ دو ہزار جوڑے ادا کریں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔ ہر جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ چاندی ہوگی۔

۲۔　اہل نجران پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی ایک ماہ تک مہمانی لازمی ہوگی۔

۳۔　یمن میں اگر کوئی شورش اٹھ کھڑی ہوئی تو اہل نجران پر تیس زر ہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازم ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اسلامی اسٹیٹ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

۵۔ جو شخص سود کھائے گا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

۶۔ اگر کوئی شخص تعدی اور ظلم کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

سیدنا ابوسفیان بن حرب، سیدنا غیلان بن عمرو، سیدنا مالک بن عوف، سیدنا اقرع بن حابس اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نے اس عہد نامہ پر اپنے شہادتی دستخط ثبت کیے۔ (زادالمعاد جلد ۳ ص ۴۰)

نجران کے ان نصاریٰ نے واپس جاتے وقت گزارش کی کہ ان کے ہاں ایک امین شخص کو بھیج دیں تا کہ وہ ہم سے عہد نامہ کے مطابق مال وصول کرے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۴۳، زادالمعاد جلد ۳ ص ۴۱، فتح الباری جلد ۸ ص ۹۴۔۹۵)

اس کے بعد ان میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور سید ایھم اور عبدالمسیح عاقب واپس جا کر مسلمان ہو گئے اور پھر مدینہ طیبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔ لاٹ پادری ابوحارث کے چچا زاد بھائی کرز بن علقمہ بھی چند روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات اور جزیہ لانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاں روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں سے ہی لیا جاتا ہے۔

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۸۹۵ مؤلفہ حکیم محمود احمد ظفر)

اہل نجران کے ساتھ مذکورہ معاہدہ لکھنے کی سعادت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی جبکہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کاتب تھے۔

آیت مباہلہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآنی لفظ **انفسنا** کا مصداق قرار دے کر انہیں خلیفہ بلافصل تسلیم کرانے والے ہی اس بات کی وضاحت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدے کے کاتبان یا گواہان میں کیوں شامل نہیں فرمایا۔ ''**انفسنا**'' کا تقاضا تو یہ تھا کہ: اس معاہدے پر ''**کتب مغیرۃ بن شعبۃ**'' کی بجائے ''**کتب علی بن ابی طالب**'' کے الفاظ ثبت ہوتے۔

© rasailojaraid.com